خواہشوں کی تتلیاں

رات کا پچھلا پہر تھا۔ پائنتی کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں چاند بالکل درمیان میں آ رکا تھا۔ یوں جیسے وہ ہاتھ بڑھاتی تو اس کی ہتھیلی پر آ ٹکتا۔ اسے چاند تاروں کی خواہش نہ تھی۔ روپیہ پیسہ ہاتھ کا میل تھا۔ زیور کپڑوں سے بھی یوں بھرا تھا کہ الماریاں نت نئی چیزوں سے بھری پڑی تھیں۔ اور وہ بیواؤں کا روپ دھارے پھرا کرتی۔ دیوانوں کی سی باتیں کیا کرتی۔ گھومنے پھرنے کے سارے شوق کب کے ہوا ہو چکے تھے۔ بھری خوبصورت دنیا اس کے لئے جیسے راستے میں پڑنے والا بازار بن گئی تھی۔ ایسا بازار جس کی دکانیں اور ان میں سجی اشیاء آنکھ کی پتلی کا نقش بن چکی ہوں۔ جن کی جانب دیکھنے کو اب من نہ کرتا ہو' جہاں سے کچھ خریدنے کی حاجت محسوس نہ ہوتی ہو' کوئی شئے دل لبھاتی نہ ہو۔ جہاں سے جلد از جلد گزر جانے کی خواہش ہو۔ دنیا اس کے لئے ایسا ہی بازار تھی۔

رات کی رانی کی مہک سے لبریز ہوا کا جھونکا کمرے میں آ گھسا۔

اس کے لبوں سے سسکی نکل گئی۔ کبھی یہ ہوا کتنی روح پرور لگا کرتی تھی' کبھی یہ مہک تن من کو جذبوں سے مہکا دیا کرتی تھی۔ کبھی پورے چاند کا منظر کیسا سرور عطا کرتا تھا اور آج ہر اچھی خوبصورت بات دکھے دل کو مزید دکھی کیا کرتی تھی۔ آج درد کا کچھ درمان نہ تھا۔ پورا چاند مکمل ہوا' ساتھ لینا من چاہا جیون ساتھی' کچھ بھی اس کے دل کو خوشی نہ بخشتا تھا۔ درد بڑھانے کو ایک چبھتا فقرہ ہی کافی ہوتا تھا۔ صبح ہی تو اماں کہہ رہی تھیں۔

"یہ مرا آم کا درخت تو بالکل ہی کام سے گیا۔ لوگوں کے درختوں سے بھر بھر پور آیا ہے اور اس کو دیکھو لیا بانجھ بنا کھڑا ہے۔ اب کی بار اس کو کٹوا ہی دوں' دوسرا پودا لگواؤں گی۔"

اور بھابھی نے اسے سیڑھیوں کے پاس کھڑا دیکھ کر مسکرا کر کہا تھا۔

"اماں! کہیں آپ کی منجھلی بہو کا سایہ تو نہیں پڑ گیا اس پر بھی؟"

آہ..... ایک جملہ ہی تھا' چند الفاظ ہی تھے مگر کیسی قیامت بپا ہوئی تھی اس کے دل و دماغ میں کہ آنسو پوری رات بہتے ہی رہے۔ سسکیاں سینے میں گھٹتی رہیں' ہچکیاں گلے میں اٹکتی رہیں۔

ہر چند کہ اماں نے اپنی بات پہلے کہی تھی اور فاخرہ بھابھی نے بعد میں مگر اسے نجانے کیوں وہم سا پڑ گیا تھا۔ کہ بھابھی نے جملہ پہلے ادا کیا تھا اور اماں نے وہ دھمکی بعد میں دی تھی۔

"اب کی بار اسے کٹوا ہی دوں' دوسرا پودا لگواؤں گی۔"

نجانے اماں کا کیا مطلب تھا۔ نجانے وہ آم کے درخت کی ہی بات کر رہی تھیں یا پھر..... یا پھر..... اس کا سر چکرانے لگا' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ارے مرد کو اللہ نے چار کی اجازت دی ہے تو کوئی مصلحت ہی ہو گی نا۔" اماں اکثر اسے آس پاس دیکھ کر کہا کرتی تھیں۔

"بے چارہ اشعر!" فاخرہ بھابھی سناتیں۔ "مرد اپنے بچے کو گود میں لے تو ذرا اس کا چہرہ دیکھا کرو' کبھی دیکھی ہے وہ روشنی اشعر کے چہرے پر؟"

"ان کے ساتھ نجانے کیا پرابلم ہے؟" شہ پارہ کہتی۔ "ہم تو قسم سے منصوبہ بندی بھی کریں تو وہ بھی ناکام ہو جاتی ہے۔"

اس کے ساتھ کیا پرابلم تھی' وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ آج سے چند سال قبل وہ اور اشعر اپنا مکمل میڈیکل چیک اپ کروا چکے تھے۔

اشعر ہر لحاظ سے صحت مند اور باپ بننے کے لائق تھا لیکن اس کے اندر مادہ اعضاء کی نمو پوری طرح نہ ہو پائی تھی۔ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی۔

اس خبر نے اس کی ہستی کے ہر تار کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ گونج اب تک اس کے خون میں رواں تھی۔

وہ کمرہ' وہ میز' وہ میز کے پیچھے بیٹھی وہ ڈاکٹر' اس کے گلے میں لٹکتا اسٹیتھسکوپ اور

اس کا اس لئے ادا کیا گیا جملہ..... ایک ایک شے اس کے حافظے پر نقش تھی۔

"آئی ایم ساری ٹو سے دیٹ..... مگر حقیقت یہی ہے مسز اشعر..... آپ کبھی ماں نہیں بن سکتیں۔"

"آپ کبھی ماں نہیں بن سکتیں۔"

اس کے لبوں سے ایک کراہ نکلی۔ ڈر کر اس نے اشعر کی جانب دیکھا، وہ اسی لئے جاگ گیا تھا۔ تانیہ نے جلدی سے آنکھیں میچ کر کروٹ بدل لی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اشعر کی نیند خراب ہو اس سے زیادہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اشعر کا دل خراب ہو اسے روتا پا کر وہ ڈسٹرب ہو جاتا تھا۔

"تانیہ!" اشعر کا ہاتھ اس کے کاندھے پر آرکا۔ اس کی ہتھیلی میں نیند کی حدت تھی۔ وہ محبت بھری تپش اس کے سرد وجود کو سکون بخشنے لگی۔ آنسو پوری روانی کے ساتھ اس کی گردن پر لکیر بنانے لگے۔

اشعر نے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"اوہ..... مائی گاڈ!" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا "تانی..... میری زندگی! کب سے رو رہی ہو۔" سارے اختیار رکھو کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

اشعر نے اسے اٹھا کر اس کا سر شانے سے لگا لیا اور اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

"بس یار۔ بس کرو..... پلیز....."

وہ اٹھا اور روم فریج سے ٹھنڈا پانی لے کر آیا۔

"خود بھی مر جاؤ گی اور مجھے بھی مار ڈالو گی تم..... کیوں اتنی ظالم ہو..... کیوں خود پر اتنا ظلم کرتی ہو۔ چار بج رہے ہیں صبح ہونے والی ہے ... اور تم رو رو کر خود کو مٹانے تلی ہوئی ہو۔"

"میں مٹ جانا چاہتی ہوں اشعر" وہ زخمی لہجے میں بولی تھی۔ "میرے ہونے سے کتنوں کا سکھ چین خطرے میں ہے۔"

"ان سب میں کہیں تم نے میرا نام تو شامل نہیں کیا؟" وہ شرارت سے پوچھنے لگا۔

"اب یہ مت کہہ دینا کہ تم تو ٹاپ آف دی لسٹ ہو۔ رات کے آخری پہر تم

یونہی بہکنے لگی ہو۔ یاد ہے جب اپنی شادی ہوئی تھی......"

"اشعر پلیز----" اس نے سوجی سوجی آنکھوں سے التجا کی۔ "میرا دل اب ان کھلونوں سے نہیں بہلتا۔ بھول جاؤ ان سب باتوں کو، مجھے، مجھ سے وابستہ ہر شے کو...... بھول جاؤ اشعر....."

وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں پھر کہتی ہوں اشعر......" باقی بات کہنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے دانتوں سے نچلا لب دبا لیا۔ وہ جب بھی یہ بات کہتی تھی اس کا ردعمل بڑا شدید ہوا کرتا تھا۔

"بولو...... تم خاموش کیوں ہو گئیں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگا۔

تانیہ نے سر جھکا لیا۔

"بولو تانی! کہہ دو جو تمہارے دل میں ہے پھر میں جانوں اور میرا دل۔" وہ لب کاٹنا اسے ہمیشہ بہت اچھا لگتا تھا اور یہ بات اس نے کبھی اشعر کو نہیں بتائی تھی۔

"اشعر!" وہ اسے محبت سے دیکھ کر بولی۔

"بولو۔" اس نے ایک ناراض نظر اس پر ڈالی۔

"اس کے سوا کوئی راستہ بھی تو نہیں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"مجھے صرف وہ راستہ پسند ہے جس پر تم میرے ساتھ ہو اور میں اسی راستے پر چل رہا ہوں۔"

"یہ راستہ..... پتھروں سے، کانٹوں سے، طعنوں سے، تشنوں سے اٹا پڑا ہے اشعر!" وہ سسکی۔ "اور میں ننگے پاؤں اس پرخار رستے پر نجانے کب سے چل رہی ہوں۔ میری روح تک زخمی ہو چکی ہے۔"

"تمہیں اپنے ساتھی پر بھروسہ نہیں ہے۔ تانیہ!" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا۔ "تم مجھ سے زیادہ لوگوں کی پروا کرتی ہو، تمہیں میری خوشی عزیز نہیں ہے۔ ذرا سی باتوں سے گھبرا کر مجھ سے جدا ہونے کی بات سوچ لیتی ہو۔ اچھی محبت ہے تمہاری۔"

"مجھے تمہاری خوشی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ اشعر!" اس نے اشعر کا ہاتھ

تھام لیا۔ ''اور میں تمہاری خوشی کے لئے ہی کہتی ہوں۔ ۔ ۔ دوسری شادی کر لو۔''

اشعر نے ہاتھ چھڑا لیے۔

''بس کرو' سو جاؤ۔''

''اشعر..... میں۔ ۔ میں یہیں رہوں گی تمہارے پاس' تمہارے بچے اپنے بچوں کی طرح پالوں گی' ان سے اپنی جان سے زیادہ پیار کروں گی۔ ان کی ماں کو اپنی محبت سے جیت لوں گی۔ اسے بہنوں کی طرح چاہوں گی۔ اشعر.....''

''میں نے کہا تھا نا' رات کے آخری پہر تم بہک جاتی ہو۔'' وہ اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے بولا۔ ''مجھے صبح آفس جانا ہے' میں تمہاری اول فول مزید نہیں سن سکتا۔''

''اشعر! میری بات تو سنو۔''

''کیپ کوائٹ ثانیہ!''

اس نے ہاتھ بڑھا کر بتی بجھا دی۔

✿ .... ✿ ✿

وہ اشعر کی خالہ زاد تھی۔ خدا نے جیسے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے ہی بنایا تھا۔ اس نے میٹرک کیا تھا' جب عین رزلٹ والے دن منیزہ خالہ اس کے لئے چار جوڑے اور ایک خوبصورت انگوٹھی لے کر آ پہنچی تھی۔

ثانیہ کے والدین تو شروع ہی سے اس رشتے کے حق میں تھے۔ اشاروں کنایوں میں کئی مرتبہ یہ بات ہو چکی تھی پھر اشعر کی بولتی نگاہوں سے کتنی ہی مرتبہ خوشبو جیسے پیام بھیجے تھے۔ ثانیہ اس کے حال دل سے واقف بھی تھی اور خود شریک حال بھی۔

خالہ کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اشعر کے دل کی طرح چار سال اس کے وجود سے لپٹی رہی۔ چار سال بعد وہ اپنا وجود اس کے نام لکھ کر اس کے من آنگن میں خوشبو کی طرح آ بسی۔

اشعر اپنے والدین کا سب سے لائق' سب سے خوبرو اور چہیتا بیٹا تھا۔ ہر چند کہ اس سے بڑا بھائی اور بھی تھا اور چھوٹا اطہر بھی لیکن جو محبت اشعر کے حصے میں آئی تھی' وہ کسی اور کی قسمت میں کبھی نہ بنی۔ یہی محبت ثانیہ نے بہو بن کر سمیٹی۔ اس سے پہلے نا خدا بھابھی

اس گھر میں موجود تھیں۔ دو بیٹوں کی ماں ہونے کا تمغہ ہمہ وقت ان کے سینے پر سجا رہتا تھا۔ پیشانی پر بڑی بہو اور بڑے خاندان کی بیٹی ہونے کا فخر چمکتا تھا۔ پھر بھی جو استقبال گھر میں ثانیہ کا ہوا اس سے ان کے غرور کا چراغ مدھم پڑ گیا۔

ثانیہ کا جوہر خاص اس کی خوش خلقی تھی۔ اس کی آواز میں کوئل کی سی مٹھاس اور سر تھا پھر وہ بولتی بھی بڑے دلکش انداز میں تھی۔ نرم و ملائم لہجے میں وہ جب دل موہ لینے والے الفاظ میں گفتگو کرتی تو چھوٹے بڑے اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

پھر حسن میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔ کمر سے نیچے آتے سیاہ ریشمی بال اس کا خزانہ تھے۔ وہ ان کی جی جان سے حفاظت کرتی۔ بھنورے کی سی آنکھیں اور سنہری دمکتی رنگت۔ خدا نے اسے کئی خوبیوں سے نوازا تھا۔

اشعر تو پہلے ہی اس کا دیوانہ تھا۔ اس کے مل جانے کے بعد تو وہ خود کو بھی بھول گیا۔ خالہ کی چہیتی بھانجی تھی' پھر بڑی بہو سے اتنے برسوں میں کئی اختلافات ہوئے تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر بھی ثانیہ کا پرزور استقبال کیا تھا۔

فاخرہ بھابھی نے پہلے دن سے ہی اس کے لئے جذبۂ رقابت محسوس کیا تھا اور چند سالوں میں تو وہ اس کی روایتی حریف بن گئی تھیں' چنانچہ احمر کے لئے انہوں نے اپنے خاندان کی لڑکی چنی اور اپنی کزن شہپارہ کو بیاہ کر لے آئیں۔

ثانیہ کو خاندانی سیاست سے مطلب نہ تھا۔ وہ اشعر کی محبت کو مضبوط اور چاردیواری حصار میں خود کو ہر طرح سے محفوظ خیال کرتی تھیں۔ ساس سسر اور نند اس کے دیوانے تھے۔ اس کے قصیدے ہر جگہ پڑھا کرتے' اس کی راجدھانی کو کسی حریف سے خطرہ نہ تھا۔

وہ خود میں مگن' بے پروا' خوش خوش رہا کرتی۔ تب ایک دن زندگی کی حسین' پرسکون جھیل میں خوشی کے ان گنت کنول کے پھولوں کے درمیان اضطراب اور بے چینی کا پہلا پتھر روایتی حریف کی جانب سے آیا تھا۔

''اماں.....!'' اس مہینے کی بارہ کو ثانیہ اور اشعر کی شادی کی تیسری سالگرہ ہے۔ ہے نا۔'' مسکراتے ہوئے فاخرہ بھابھی قدرے ہلکے پھلکے انداز میں بولی تھی۔

''ہاں۔'' اماں نے حساب لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ لوگ...... کہیں.... کہیں..... اب تک...... میرا مطلب ہے شہ پارہ کی پریکٹس کا تیسرا مہینہ چل رہا ہے۔ اس کے بیاہ کو کل پانچ ماہ ہوئے ہیں' یہ لوگ شاید اس الجھن میں پڑنا نہیں چاہتے۔"

اماں نے لحظہ بھر کو سوچا تھا۔ قدرے فاصلے پر گلدان کے پھول بدلتی ثانیہ کے ہاتھ سست پڑ گئے تھے۔

"ہوتا ہے بیٹا ایسا بھی۔" پھر اماں بے فکری سے بول پڑیں۔ "کون سی عمریں گزر گئی ہیں۔ پورے تیس کی بھی نہیں تھی ثانیہ شادی کے وقت' بعض لڑکیاں زیادہ وقت لیتی ہیں۔"

فاخرہ بھابھی بدمزہ سی ہو کر خاموش ہو گئی تھیں لیکن ثانیہ کے دل میں پہلی پھانس چبھی تھی۔ اسے بڑا درد محسوس ہوا۔ رات کو بیڈ روم کی تنہائی میں اس نے اشعر سے پہلی بات یہ ہی کہی۔

"اوہ....." وہ ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ "ارے ابھی میری چھوٹی سی ننھی منی بیوی تو چپکے سے بڑی ہو گئی اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ماں بننے کا شوق چرایا ہے' ہاں؟"

"اشعر..... پلیز....." اسے اشعر کا ہنسنا اچھا نہ لگا۔ وہ مسئلے پر سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ میکے میں بھی امی اور بھابھی کئی مرتبہ دبے لفظوں میں یہ ذکر کر چکے تھے۔

"کیا آپ کو بچے پسند نہیں؟"

اشعر جواب دینے کے بجائے اسے شریر نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ جھینپ کر گلابی ہو گئی۔

"اشعر پلیز....." جھکی جھکی نظروں سے اس نے التجا کی۔

"بچے تو بھئی مجھے بہت پسند ہیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "میرے بھتیجوں سے پوچھو گھر میں سب سے زیادہ انہیں میں پیار کرتا ہوں۔"

"تو پھر..... ساری عمر بھتیجوں سے پیار کرتے رہیں گے؟" اس نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

"نہیں جی..... عمر بھر پیار کرنے کا وعدہ تو آپ سے ہے۔" وہ ہنوز اسی موڈ میں تھا۔

تانیہ نے تکیہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ ہنسنے لگا۔ تانیہ کو بھی ہنسی آ گئی۔ بات آئی گئی ہو گئی تھی۔

لیکن بات اس وقت ان کے درمیان ہی آئی گئی ہوئی تھی۔ شہ پارہ کے ہاں ننھی گلابی سی گڑیا کی آمد ہوئی تو عزیز' رشتہ دار' ہمسائے' دوست احباب سب ہی کے منہ کھل گئے۔ جو بھی آتا وہ تانیہ پر ایک آدھ فقرہ چست کرنا اپنا فرض خیال کرتا۔ ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی تو وہ پور پور چھلنی ہو گئی۔

"اشعر...... مجھے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔ مجھے اپنا چیک اپ کروانا ہے۔"

اس کی ایک ہی ضد تھی اور اشعر کو نجانے کیا وہم تھا' وہ اسے بہلاتا رہتا۔

"چلیں گے یار!" کون سا ہماری عمریں ڈھل گئی ہیں اور پھر جن کے ہاں اولاد دیر سے ہو' ان میں بڑی انڈر اسٹینڈنگ اور محبت ہوتی ہے۔

"وہ کیسے؟" وہ چڑ جاتی۔

"شادی کے فوراً بعد ہی جو عورتیں حاملہ ہو جائیں' وہ شوہر کو مکمل محبت اور توجہ نہیں دے پاتیں۔ ان کا دھیان بٹ جاتا ہے۔ ہر چیز میں احتیاط شامل ہو جاتی ہے۔ گھر سے پھرنے کا' بننے سنورنے کا شوق ماند پڑ جاتا ہے' شوہر الگ بدمزہ ہوتا ہے پھر جب نو وارد' وارد ہو جاتے ہیں تو پھر تو سمجھو شوہر بے چارے کا کام تمام۔ آفس سے تھکا ہارا آئے تو بیگم بچہ تھما کر کچن میں غائب ہو جاتی ہے' وہاں سے نکلتی ہے تو بچہ لے کر پھر کسی کمرے میں غائب ہو جاتی ہے۔ یہ بے چارے حیران پریشان ٹی وی آن کر لیتے ہیں۔ صبح پتا چلتا ہے ٹی وی دیکھتے دیکھتے کسی لمحے آنکھ لگ گئی تھی۔ بیگم نے چپکے سے ٹی وی بند کر کے متاع میں ڈال دیا تھا۔"

تانیہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔ اشعر کی اوٹ پٹانگ باتوں اور مضحکہ خیز تاثرات نے اسے تقریباً بھلا ہی دیا تھا کہ وہ کیا بات کر رہی تھی۔

پھر ہوا یوں جو دن پر لگا کر بے فکری سے اڑ جایا کرتے تھے' ان کے پروں میں اب پہلی سی تیزی اور تازگی نہ رہی۔ بے یقینی اور اضطراب کے جھاگ اڑاتے چھینٹوں نے دنوں کے پر بوجھل کر دیے۔ شہ پارہ تین ماہ بعد پھر حاملہ ہو گئی۔ اس کی بیٹی بہت چھوٹی تھی'

لیکن وہ بہت خوش اور مطمئن تھی۔

''اشعر کو بیٹا چاہئے۔ دیر کس بات کی؟ اچھا ہے ساتھ ساتھ چل جائیں گے۔''

وہ بیٹے کے لئے وظائف پڑھتی رہتی۔ تانیہ کو ماں نے اولاد کی نعمت سے سرفرازی کے وظائف دیئے تو اسے خوف سا محسوس ہوا۔ زندگی میں ایک بڑے خلا کا احساس ہوا' سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ بھی نہ ہونے کا احساس۔

وہ وظائف پڑھنے لگی۔ آس کی جوت بار بار جلتی اور بار بار بجھ جاتی۔ جس قدر خشوع و خضوع سے وہ پڑھا کرتی' اتنی ہی گھٹا ٹوپ مایوسی اسے گھیرتی چلی گئی۔

شہ پارہ نے جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر خوب روئی۔ اشعر ساری رات اسے دلاسے دیتا رہا۔ ساتھ نبھانے کی قسمیں کھاتا رہا لیکن آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے اور نیند تھی کہ پلکوں کی دہلیز چھونے کو تیار نہ تھی۔

''میں نے بھی تو وظیفے پڑھے تھے اشعر! میں نے بھی تو دعائیں مانگی تھیں۔ خدا نے اس کی دعا قبول کی' میری نامراد لوٹا دی۔''

''تانیہ! خدا کسی کی دعا نہیں لوٹاتا۔ ہر بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے' خواہ قبولیت کا انعام روز قیامت ہی کیوں نہ ملے۔ دیکھو تانیہ! دنیا میں بے شمار بے اولاد جوڑے ہیں' یہ آزمائش اللہ نے بہتوں کی رکھی ہے۔ لیکن یہ سوچو کہ اس آزمائش کا انعام بھی تو ہوگا اور اللہ کا انعام ہر نعمت سے بلند اور بھاری ہے۔ ہم اس انعام کا کیوں نہ سوچیں۔''

''نہیں اشعر' نہیں اللہ کا واسطہ یوں نہ کہو۔ یوں کہو کہ انشاء اللہ' اللہ ہمیں بھی اولاد دے گا۔ ہمیں کبھی آزمائش میں نہیں ڈالے گا' ہمیں اپنی ہر نعمت سے نوازے گا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو' مگر انسان کو بلند حوصلہ ہونا چاہئے اور دوسروں سے مسابقت تو بہت تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ اولاد ہو جائے تو بیٹوں کی دوڑ' بیٹے ہو جائیں تو ان کے مستقبل کی دوڑ۔ ہر وقت انسان اپنے نصیب سے حالت جنگ میں رہتا ہے تانیہ! اولاد دینا نہ دینا اللہ کا کام ہے۔ اس کی اطاعت' اس کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔ یوں دل کو چھوٹا نہ کرو۔''

اشعر نے اس کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر لی لیکن نا تمام' بھابھی اور شہ پارہ کے

ہنستے مسکراتے چہرے اس کے ذہن سے نہ نکلتے تھے۔

اور پھر اس نے اشعر کو میڈیکل چیک اپ کے لئے آمادہ کر ہی لیا۔

اور پھر ڈاکٹر نے اسے زندگی کی سب سے تلخ حقیقت بتائی تھی۔ جس نے اسے جینے کی خواہش سے ہی محروم کر دیا۔ کتنے دن، کتنی راتیں وہ کمرے میں بند سب کی چبھتی، سوال کرتی نظروں سے دور تکیے میں منہ چھپائے پڑی رہی۔

اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ فاخرہ بھابھی کی طنزیہ نگاہوں اور تمسخرانہ مسکراہٹ کا سامنا کرتی۔ شہ پارہ کی غرور سے بھری چال اور فخریہ جملوں سے اسے تنہائی میں بھی خوف محسوس ہوتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سگی خالہ کا بجھا ہوا چہرہ اور بھیگی پلکوں کا خیال اسے اندر سے کاٹنے لگتا۔

وہ بیمار پڑ گئی۔ تمنا کی جلتی لو کیا بجھی تھی کہ وہ راکھ بن کر رہ گئی۔ رنگ جھلس گیا، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں نے ڈیرہ ڈال لیا۔ بال ٹوٹتے، گرتے شانوں تک آ پہنچے۔ وہ آپ اپنا مذاق بن گئی۔ ایسے میں اشعر اس کے دکھی دل کا مرہم تھا۔ وہ اس کا ہم درد، ہم نفس، قدم قدم پر اس کا ہاتھ تھامے رہا۔

''تانیہ! اللہ نے ہر انسان کو مکمل بنایا ہے۔ مجھے، تمہیں، ہم سب کو۔ کسی کا ہاتھ نہیں ہے، وہ بھی مکمل ہے۔ کسی کی ٹانگ نہیں ہے، وہ بھی مکمل ہے، اس مجسمہ ساز نے جب مٹی کے بے جان پتلے میں روح پھونکی تو سمجھو کہ اسے مجسمے کے مکمل ہو جانے کا یقین تھا۔ وہ مجسمہ کو نامکمل جانتا تو اس میں روح کیوں پھونکتا؟ اب مٹی کے اس مجسمے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے خالق کی مرضی کو چیلنج کرے اور اسے بتائے کہ اس نے نامکمل جسم بنایا ہے۔ اس کی مصلحتیں وہی جانتا ہے۔ جن کے پاس اولاد ہے، وہ اس اولاد کے پیدا کرنے میں بااختیار نہ تھا۔ انہیں خدا کے خزانے سے وہی ملا جو اس نے دینا چاہا۔ اب اگر وہ جھوٹا فخر و غرور جتائیں تو ان کا فخر و غرور انہی کے لئے چھوڑ دو، خود پر طاری مت کرو۔ تانیہ! تم اپنے آپ میں تلاش کرو کہ اللہ نے ان کی اس برتری کے جواب میں تمہیں کن کن چیزوں سے فوقیت دی ہے۔ یقیناً تمہیں بہت کچھ نظر آئے گا اور پھر تم اپنے رب کا شکر ادا کرو گی۔''

اس نے اشعر کی باتوں پر توجہ دینا شروع کی تو طبیعت میں بہتری آنے لگی۔
شادی سے پہلے اس نے پرائیویٹ بی اے کیا تھا۔ اب ریگولر ایم اے میں داخلہ لے لیا۔
صبح سویرے جب وہ گھر سے اشعر کے ساتھ نکلتی تو فاخرہ بھابھی اور شہ پارہ کی
دبی دبی مسکراہٹیں اس کا پیچھا کرتیں۔ وہ یوں ظاہر کرتی جیسے اس نے کسی کو دیکھا ہی نہ ہو۔
کبھی ان کا کسا ہوا فقرہ کان میں پڑ جاتا۔

"ہائے.... بے فکری کی زندگی! بچے نہ ہوں تو عورت خود ہی بچہ بن جاتی ہے۔"

"دبی دبی ہنسی تعاقب کرتی۔ اس کے کانوں میں سیسہ پڑتا۔ دل سے ٹیس اٹھتی۔"

کبھی ساس کی آہ بھری سانس پیچھا کرتی۔

"میرا اشعر......" وہ اکثر کہا کرتیں۔ "کیا خبر تھی......"

تانیہ سب کچھ سن کر بہری ہو جاتی۔ گونگی تو وہ ایک مدت ہوئی بن چکی تھی۔
یونیورسٹی جا کر بھی چین نہ ملتا تھا۔ لڑکیاں، لڑکے باتوں باتوں میں نجی زندگی کے
متعلق سوالات کرتے پھر وہ کلاس روم میں ترس اور ہمدردی بھرے الفاظ سنتی رہتی۔

ماں نہ بن سکنا کیا اتنا بڑا جرم ہے؟ اس روئے زمین پر عورت پر لگنے والا سب
سے بڑا الزام بانجھ پن! کیوں؟ اس میں عورت کی خطا کیا، یہ تو اس خالق کا کام ہے جو
عورت کو محض ایک ذریعہ بناتا ہے۔ اگر اس کام کے لئے اللہ نے اسے نہیں چنا تو وہ معتوب
کیوں؟

سوچ سوچ کر وہ نڈھال ہو جاتی مگر دل میں بیٹھے الاؤ کو فرق نہ پڑتا۔ وہ اس
رفتار سے جلے جاتا۔

جب کوئی غم نہ تھا، وہ سوچتی نہ تھی، اب انکشاف کے نت نئے رنگ روز اترا
کرتے۔ عورت کی دشمن عورت کا یہ بھیانک روپ اس کے تصور کی گرفت میں کبھی نہ آیا تھا۔
تمسخر، تضحیک، طنز، طعنے، تشنے..... اتنے تیر اپنی فطرت کے ترکش میں سمیٹے ہوئے عورت بظاہر
کتنی صاف، اجلی اور معصوم ہے۔

کسی کو خبر نہ ہوتی اور اس کا دل پارہ پارہ کر دیا جاتا اور تیشہ محض ایک مسکراہٹ
ہوتی۔ ایک تیکھی نظر اوف، خوش گپیاں کرتے ہوئے کسی شوگر کوٹڈ جملے میں بھرا زہر اس کی

رگوں میں اتار دیتے۔ اس کے لبوں سے آہ تک نہ نکلتی۔

اس کے سامنے بچوں کو لپٹا لپٹا کر چوما جاتا، ان کے مستقبل کی باتیں کی جاتیں۔ ''ماں'' کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا جاتا اور بانجھ پن کے تصور سے بھی اللہ کی پناہ مانگی جاتی۔

وہ لمحہ لمحہ گھلتی' قطرہ قطرہ پگھلتی' روز مرتی' روز جیتی۔ وہ کسی کی شکایت کیسے کرتی' کس کو اپنی حیات کا دشمن قرار دیتی' کس پر اپنے قتل کا الزام لگاتی؟ ٹوٹا ہوا دل نظر نہیں آتا' اندر گرتے آنسو اپنا سراغ نہیں دیتے' لمحہ لمحہ مرتی زندگی قاتل کا نام نہیں لیتی۔ ہر چند کہ قاتل نظروں کے سامنے ہی ہو۔ اس نے جانا تھا کہ جہنم کی دہکتی آگ اکثر عورتوں کا مقدر کیوں ہے۔

✿ ✿ ✿

ذرہ ذرہ سمیٹی ہوئی زندگی ایک مرتبہ پھر بکھری تھی۔

''تانیہ!''

وہ ایم اے کے امتحانات سے فارغ ہوئی تھی' جب اماں نے اسے ایک کڑی آزمائش کے سامنے لاکھڑا کیا۔

''ہم لوگوں نے بہت سوچا ہے' سب گھر والوں نے رات دن بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیا ہے اور ہم نے فیصلہ کیا ہے''

انہوں نے ایک نظر اس کے معصوم چہرے پر ڈالی پھر تیزی سے بولیں۔

''اشعر کی دوسری شادی کر دی جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس کے حواس کچھ دیر کو معطل ہو گئے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا' کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ انہیں کچھ جواب دیئے بنا وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کنڈی چڑھائی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اشعر... اشعر کی دوسری شادی... اشعر اس کی آتی جاتی سانس تھا۔ سانسیں دو انسانوں میں بانٹی جا سکتی ہیں؟ اشعر اس کے سینے میں دھڑکتا دل ہے' اپنا آدھا دل کاٹ کر بھلا وہ کیسے دے دیتی؟ اس کی ہر خوشی' ہر مسکان اشعر سے شروع ہو کر اشعر پر ختم ہوتی تھی۔

اس کی خوشیاں، اس کی مسکراہٹ اس سے طلب کرلی گئی تھیں۔

وہ زندگی کے سب سے مشکل موڑ پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

✿ ✿ ✿

وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔

اماں، ابا جی، انور بھائی، فاخرہ بھابھی، ابرش، پارو، عالیہ اور اس کا شوہر جمیل، ثانیہ اور اشعر۔

اور ایسا تب ہی ہوتا تھا جب کوئی اہم فیصلہ زیرِ غور ہوتا۔

"بیٹے! اللہ نے بھی مرد کو چار عورتیں رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ یہ اختیار بے وجہ نہیں دیا گیا اس کے پیچھے ہزار ہا مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔" ابا جی بول رہے تھے۔ ثانیہ پلکیں جھپکے بنا آنسو بھری نظروں سے ان کا چہرہ تک رہی تھی۔ یہ وہی ابا جی تھے، جن کی کبھی وہ لاڈلی ہوا کرتی تھیں۔ اس کی جگہ اگر عالیہ ہوتی تو تب بھی ابا جی، جمیل بھائی سے یہ سب کچھ کہتے یا نہیں۔

"نسل بڑھانا ہر آدمی کی خواہش ہے، اس خواہش کو خدا نے مرد کے دل میں پروان چڑھایا ہے۔ وقتی جذبوں کی خاطر اپنی بڑی خواہش کی قربانی دے بھی دے تو بعد میں پچھتاوے ہی اس کا مقدر ٹھہرتے ہیں اور پھر سب جانتے ہیں ثانیہ سے تمہیں محبت ہے۔ ہم بھی ثانیہ سے محبت کرتے ہیں ۔۔۔ تو ہمارا حق ہے کہ جواباً ثانیہ بھی ہمیں چاہے، ہماری خواہشات کو سمجھے، تمہیں بخوشی دوسری شادی کی اجازت دے۔ یہ کوئی گناہ نہیں، خدا کا عطا کردہ حق ہے۔ انسان کا وارث ضرور ہونا چاہیے جو اس کے نام کو آگے بڑھائے۔ بیٹا! ثانیہ پھر اس طرح تمہیں اپنے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ بولو اشعر بیٹے! تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

اشعر نے جھکے ہوئے سر کو اٹھا کر پہلی مرتبہ ان سب کے چہروں کو باری باری دیکھا۔ کھنکار کر گلا صاف کیا پھر بولا۔

"ابا جی! دوسری شادی مرد کا اختیار ہے، اس کا حق ہے لیکن مرد پر فرض نہیں ہے۔ مرد کے لئے ایک آپشن ہے، چاہے تو اپنائے، چاہے تو چھوڑ دے، یعنی اس کی اپنی خواہش اور میری خواہش صرف ثانیہ ہے۔" ثانیہ کے رکے ہوئے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اس

نے سر جھکا لیا۔

"دوسری بات یہ کہ نسل بہت سے لوگوں سے قائم و دائم ہے۔ آپ کا نام آپ کے تین بیٹوں کو ملا' اس سے آگے انور بھائی کے دو بیٹوں اور احمر کے دونوں بیٹوں سے انشاء اللہ چلتا رہے گا۔ یعنی آپ کے نام کی نسل کو ایک میرے دوسری شادی نہ کرنے سے کوئی خطرہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ آیا میں اپنا نام آگے بڑھانا چاہتا ہوں یا نہیں؟ تو میرا جواب ہے میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ ہر انسان کو مر کر فنا ہونا ہے' مٹی میں مل کر مٹی ہونا ہے۔ اعمال کا سلسلہ وہیں رک جاتا ہے تو نام دنیا میں چلے یا نہ چلے' اس بات سے کم از کم مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میرے دادا' پڑدادا کا نام مجھ سے چل رہا ہے لیکن میں انہیں نہیں جانتا صرف ان کے نام سے واقف ہوں جیسے میں اور بہت سے گزرے ہوئے لوگوں کے نام سے واقف ہوں تو پھر ان کی ارواح کو مجھ سے کیا حاصل ہے؟ میرے ہونے نہ ہونے سے کیا غرض؟ ان کے اعمال ان کے ساتھ گئے اور ہمارے' ہمارے ساتھ جائیں گے۔ اس فانی دنیا میں ایک دن سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں ضروری نہیں سمجھتا کہ میری اولاد ضروری ہو۔ اپنے بھتیجے بھتیجیوں کو میں اپنی اولاد کی طرح چاہتا ہوں' میری روح کی پیاس مٹ جاتی ہے۔ جس شے کی طلب' تم نہیں ہوتی' وہ تانیہ کی محبت ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں کہنا اور میرا خیال ہے اس بحث کو آج یہیں ختم بھی ہو جانا چاہیے۔ چیزوں کی تکرار مجھے پسند نہیں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"چلو تانیہ......! مجھے نیند آ رہی ہے۔"

کمرے میں آ کر وہ اس کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔

"اشعر...... اشعر...... اشعر......" یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے تکرار پسند نہیں' وہ ایک ہی نام کی تکرار کیے جا رہی تھی۔

اس کا بس نہ چلتا تھا' وہ خود کو اس پر سے وار دے۔ خوشبو بن کر اس کے وجود میں سما جائے۔

"تانیہ! تم سے بھی مجھے ایک بات کہنی ہے۔"

اشعر نے اسے اٹھاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے۔

"اللہ نے انسان کو اپنی مرضی سے پیدا کیا' اپنی مرضی کی خوبصورتیاں دیں' اپنی مرضی کی محرومیاں بخشیں پھر انسان کی مرضی بنائی کہ وہ اللہ کی مرضی میں خوش ہے یا ناخوش۔ دونوں اختیار انسان کو بخش دیئے اس لئے انسان اگر خود چاہے تو کوئی محرومی' محرومی نہیں۔ کوئی ناخوشی' ناخوشی نہیں' اس لئے اللہ کی رضا میں خوش رہو گی تو کوئی تمہیں ناخوش نہیں کر سکتا اور لوگوں کی خواہشات پوری کرتا چاہو گی تو کوئی تمہیں خوش نہیں کر سکے گا' سمجھیں۔"

اس نے روتے روتے مسکرانے کی کوشش کی اور اثبات میں سر ہلایا۔ اشعر نے ہولے سے اس کے گال پر چپت لگائی تھی۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

کچھ عرصہ اور بیتا' ثانیہ کے رستے ناسور کا منہ کچھ عرصے کے لئے بند ہوا تھا کہ شہ پارہ نے ایک اور بچی کو جنم دے کر گھر کی خاموش فضا میں کنکر پھینک دیا اور تو اور ثاقرہ بھابھی کی رپورٹ بھی پازیٹو آ گئی۔

سرد ہوتا الاؤ ایک بار پھر دہک اٹھا۔

"شہ پارہ!" بچی کے لئے لائے گئے کپڑے اسے دیتے ہوئے نجانے ثانیہ کو کیا سوجھی تھی۔ "شہ پارہ! ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں' تم اسے مجھے پالنے دو' اسے مجھے دے دو پلیز۔" شہ پارہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئی تھی۔ ثانیہ کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔

"اسے دودھ پالو گی؟" اماں بولی تھیں۔

ثانیہ کا سر جھک گیا۔

"دودھ شہ پارہ پلائے اور بچی کو تم سنبھالو تو تم ماں نہیں آیا بنو گی۔"

ثانیہ کو ایسا لگا' اماں نے اسے کسی پہاڑ سے دھکا دے دیا ہو اور وہ گرتی چلی جا رہی ہو۔

"دوسرے کا بچہ سنبھالنے سے وہ اپنا نہیں بن جاتا ثانیہ!" اماں اس سے سخت خفا تھیں۔ اس نے ان کا سب سے قیمتی' سب سے پیارا بیٹا اپنا بنا لیا تھا۔

"اور پھر ایک ہی گھر میں رہتے ہو تو سب بچوں کو اپنا جان کر پیار کرو' یہ تقسیم کیسی' ہاں اگر واقعی ماں بننا چاہتی ہو تو اشعر سے کہو' دوسری شادی کر لے۔ اشعر کا بچہ واقعی تمہارا

بچھڑ دے گا۔ خواہ سوتیلا ہی سہی۔

وہ بھاری قدموں سے چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اماں نے اسے اسی کی نگاہوں میں گرا دیا تھا۔

دراز کھول کر اس نے ایک چھوٹی سی بوتل نکالی۔ یہ بوتل اس کے دکھوں کا وقتی علاج تھی۔ دو گولیاں پانی سے نگل کر وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی تھی۔

✿ ..... ✿ ..... ✿

آج اس کی شادی کی دسویں سالگرہ تھی۔ وہ صبح سے تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ پارلر جا کر بال نئے اسٹائل میں سیٹ کروائے، چہرے کا مساج کروایا۔ واپسی میں ایک خوبصورت فیروزی رنگ کا لباس اور ہم رنگ سینڈل خرید لائی۔ یہ اشعر کا پسندیدہ رنگ تھا۔

اشعر کے آنے سے کچھ دیر قبل وہ نہا کر تیار ہو گئی۔ کلائیوں میں بھر بھر کر چوڑیاں پہنیں۔ آنکھوں میں کاجل بھرا۔ ہونٹ لپ اسٹک سے سجائے۔ اشعر کا گفٹ کیا ہوا ایک جیولری سیٹ پہن کر وہ بالکل دلہن لگنے لگی۔

اسی لمحے دروازہ کھول کر وہ اندر آیا تھا۔

''السلام و علیکم...'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ ''ہم..... کہیں جا رہے ہیں؟ کوئی دعوت ہے؟''

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔

''کیا خبر تھی۔ ایک دن۔ ایسا بھی آئے گا.....'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ''جب مجھے تم کو یاد دلانا ہوگا کہ...''

''او گاڈ!'' اسے اچانک سب یاد آ گیا۔ ''او مائی گاڈ۔ آئی ایم ویری سوری تانیہ! ویری سوری۔'' اس نے تانیہ کو پکڑ کر ایک چکر دیا۔

''خیر... سب تاوان بھر دیں گے۔ مائی ڈیئر..... تھوڑا سا انتظار اور کرو۔ میں ذرا ایک باتھ لے لوں پھر کہیں باہر چلتے ہیں ٹھیک۔''

اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''میں بہت خوش ہوں تانیہ!'' وہ اس پر ایک نگاہ ڈال کر بولا تھا۔ اشعر واقعی بہت

خوش تھا۔ انہوں نے بہت پرتکلف کھانا کھایا تھا۔ ساحل پر گھومے تھے لانگ ڈرائیو کو انجوائے کیا تھا اور خوش خوش واپس لوٹے تھے۔

''آج کا دن انجوائے کیا؟'' سونے سے قبل وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''ہاں مگر ایک چیز رہ گئی۔''

''اوہ ... رئیلی! وہ کیا؟''

''میرا گفٹ! تم نے مجھے کوئی تحفہ نہیں دیا۔''

''آر یو سیریس؟'' وہ ہنسا۔ ''تم نے تو برسوں سے کسی چیز کا نام نہیں لیا۔ یہ آج تحفے کا خیال کیسے آ گیا۔ کہو کیا چاہئے؟''

''سوکن۔'' وہ قطعاً سنجیدہ تھی۔

''واٹ'' یہ کیا مذاق ہے؟''

''نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں اب دوسری شادی کرنی ہو گی اشعر...! کیونکہ یہ میری واحد خوشی ہے۔ اگر تم مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہو تو۔'' وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''سمجھو میں تمہیں خوش نہیں دیکھنا چاہتا۔'' ثانیہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی بند مٹھی کھولی۔

''پھر میں موت کو ترجیح دوں گی۔'' اس کی ہتھیلی پر نیند کی گولیوں سے بھری شیشی تھی۔

''ثانیہ!'' اشعر نے اس کے منہ پر پوری قوت سے تھپڑ مارا پھر اسے خود سے لپٹا لیا۔

سب کے لئے یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی۔ اشعر نے دوسری شادی کے لئے ہاں بھر لی تھی۔ ابا جی اور اماں کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھر گئے تھے۔ فاخرہ اور شہپارہ کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ انور بھائی اور عامر مطمئن ہو گئے تھے اور ثانیہ کو ایک ناقابل فہم کیفیت کا سامنا تھا۔ اماں نے اسے چند فوٹو دے دیں۔

''اشعر کو دکھا دو۔ یہ لڑکیاں اچھے شریف گھرانوں کی ہیں۔ ان کے والدین دوسری شادی کے خواہش مند مرد کو دینے پر رضامند ہیں۔ اشعر سے کہو اپنی پسند بتا دے۔''

تانیہ نے لفافے میں سے تصویریں نکالیں۔ ایک کے بعد ایک دیکھتی رہی پھر سب تصویریں رکھ کر لفافہ اماں کو واپس کر دیا۔

''ان میں کوئی نہیں۔'' وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''کیا مطلب؟'' اماں حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''اشعر کے ساتھ جچے گی کوئی؟'' وہ الٹا انہی سے پوچھنے لگی۔ ''اشعر کی دلہن اشعر کی نہیں، میری پسند سے آئے گی اور میں اشعر کے لئے چاند تک توڑ لانے کی تمنا رکھتی ہوں۔''

''ہونہہ! سوکن پسند کرو گی۔ اتنا بڑا دل ہوا ہے کسی عورت کا آج تک۔ ہر لڑکی رجیکٹ کرتی جاؤ گی کہ اسی بہانے وقت ٹلتا رہے گا۔''

وہ بڑبڑاتے ہوئے چلی گئیں۔ اس کے لبوں پر وہی ناقابل فہم مسکراہٹ تھی۔

''اشعر کے لئے اشعر جتنی اچھی لڑکی ہونی چاہئے۔ دس برس پہلے وہ چھبیس سال کی عمر میں دولہا بنا تھا۔ ابھی محض چھتیس برس کا ہے۔ وقت اسے چھو کر نہیں گزرا۔ کیا کمی ہے اس میں جو اسے اچھی دلہن نہ ملے گی۔ میں اس کے لئے حوروں جیسی دلہن لاؤں گی تاکہ بچے خوبصورت ہوں۔ میں انہیں خوب پیار کروں گی وہ اپنی ماں سے زیادہ میری محبت کو مانیں گے اور اشعر...... اشعر جانے گا کہ اس کی تانیہ کا دل کتنا بڑا ہے۔ میرا اشعر ہمیشہ میرا رہے گا۔''

❀ ...... ❀ ...... ❀

وقت گزرتا رہا، اسے کوئی لڑکی پسند نہ آتی تھی۔ ہر کسی میں وہ کوئی خامی ڈھونڈ لیتی۔ اشعر ہنس کر اس کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا۔ سب گھر والوں نے اس کو ڈرامہ بازی کا نام دیا۔ تانیہ کو کٹنی اور مکار جیسے القابات سے نوازا گیا۔ وہ سنی ان سنی کرتی گئی۔

ایک روز وہ کتابوں کی دکان پر کھڑی اپنا پسندیدہ ماہنامہ لے رہی تھی۔ جب اس لڑکی پر نظر پڑی۔ تانیہ چند لمحوں کے لئے اسے دیکھتی رہ گئی۔ دس سال پہلے والی تانیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہی شہد رنگت، وہی سیاہ گھور آنکھیں، وہی دلکش مسکراہٹ، وہی گال میں پڑتا گڑھا۔

وہ سب کچھ بھول کر اس کی سمت بڑھ گئی۔

''ایکسکیوز می۔ میرا نام ثانیہ ہے۔ آپ کو پہلے کہیں دیکھا ہے یاد نہیں آ رہا۔ آپ کا نام جان سکتی ہوں؟''

''قندیل!'' وہ مسکرا دی۔ ہر طرف جگمگاہٹ سی پھیل گئی۔

''کہاں رہتی ہیں؟''

وہ بڑی سادی لڑکی تھی جواباً اپنا پتا تفصیل سے بتا دیا۔

''ایک بات کہوں اگر آپ برا نہ مانیں۔ اگر آپ مجھے اپنا فون نمبر دے دیں تو پلیز۔'' قندیل کی نگاہوں میں چمک سی ابھری۔ لڑکیاں ایسی باتوں کا مطلب خود ہی سمجھ جاتی ہیں اس نے اپنا نمبر ایک چھوٹے سے کاغذ پر لکھ کر اسے تھما دیا۔ وہ خود بھی ثانیہ کے چہرے مہرے اور لباس وغیرہ سے کافی مرعوب نظر آتی تھی۔

ثانیہ وہ چھوٹا سا کاغذ مٹھی میں دبائے دکان سے نکل آئی۔ وہ بے حد خوش نظر آتی تھی۔

✿......✿......✿

قندیل ایک یتیم لڑکی تھی۔ اس کے ماں باپ عرصہ ہوا انتقال کر چکے تھے۔ وہ اپنی بیوہ خالہ کے پاس رہتی تھی جو سلائی کر کے اپنا اور اس کا بوجھ اٹھاتی تھیں۔

خوبرو جوان اور اچھی پوسٹ پر فائز اشعر کا رشتہ انہیں ایک نعمت غیر مترقبہ کی مانند لگا جسے خالہ بھانجی کے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ انہیں ثانیہ کے ہونے نہ ہونے سے غرض نہ تھی۔ قندیل کو اس کے ساتھ ایک گھر میں رہنے پر مطلق اعتراض نہ تھا۔ یہ رشتہ فوری طور پر منظور کر لیا گیا۔

ثانیہ بہت خوش تھی۔ اس نے اشعر کے لئے بہترین انتخاب کیا تھا۔ ''قندیل سے اچھی لڑکی بھلا مل سکتی تھی اس کو۔ چاہے کنوؤں میں بانس ڈلواتیں یا چراغ لے کر پھرتیں۔ اشعر کے دل میں میری قدر و منزلت کس قدر بڑھ جائے گی جب وہ قندیل کو دیکھے گا۔ اس کے ساتھ وقت گزارے گا تو میرا خیال پل پل اس کے ساتھ رہے گا۔''

وہ شادی کی خریداری کرنے لگی۔

"اشعر کی دوسری سہی' تبدیلی کی تو یہ پہلی شادی ہے۔" اس نے کہا تھا۔ "اسے احساس نہیں ہونا چاہئے کہ وہ "نمبر دو" ہے۔"

فاخرہ بھابھی اور شہ پارہ حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگی تھیں۔ ثانیہ کو یک گونہ سکون محسوس ہوا۔

پھر سب تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دلہن کے ملبوسات ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ثانیہ نے اپنے آدھے سے زیادہ زیورات بری میں رکھ دیئے تھے۔

"میں اپنا اصلی اور سچا زیور اسے دے رہی ہوں۔ یہ سونا چاندی کیا چیز ہے۔" وہ متانت سے بولی تھی۔

حق مہر پانچ لاکھ روپے سکہ رائج الوقت رکھا گیا تھا۔ یہ بھی ثانیہ کی ضد تھی۔

اشعر بس خاموشی سے اس کی باتیں مانتا چلا گیا تھا۔ وہ ان دنوں کوئی روبوٹ لگتا تھا۔ احساس و جذبات سے عاری انسان۔ بس اس کی خاموش نظروں سے عجیب سا دکھ جھلکتا تھا پھر وہ دن آن ہی پہنچا۔ سب لوگ زور و شور سے بارات لے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ثانیہ نے اپنا بیڈ روم بھی نئی نویلی دلہن کے لئے سجا دیا تھا۔ خود وہ نچلی منزل پر اماں کے کمرے کے برابر والے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی۔ ہر چند کہ اشعر نے اسے بہت منع کیا تھا مگر وہ کہاں ماننے والی تھی۔

"اشعر یہ کمرہ نئے شادی شدہ جوڑوں کے لئے کتنا اچھا ہے نا۔ یہ کھڑکی جو چاند کو کمرے میں اتار لاتی ہے' باغیچے کی مہکتی' نرم ہوا کا رستہ ہے۔ رات گئے اسے کھڑکی میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگتا ہے پھر نیچے والوں کا شور شرابا اس کمرے تک نہیں آتا۔ ڈسٹربنس نہیں ہوتی اور پھر....."

وہ آنکھوں میں بھرتے آنسوؤں پر قابو پا کر کچھ دیر کو خاموش ہو گئی تھی۔

"اور پھر۔ کمروں سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

✿ ✿ ✿

اس نے اپنے پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ جلدی جلدی آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے صاف کر کے وہ اندازہ لگانے لگی کہ کمرے میں کون داخل ہوا تھا' اتنی فرصت کسے تھی؟

"ثانیہ!" اشعر کی آواز پر اس کی سسکی نکل گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس شخص سے آنسو چھپانے کی اب کچھ خاص ضرورت نہ تھی۔

"رو رہی ہو ثانیہ! یہ تو تم نے اپنی خوشی کی قیمت رکھی تھی پھر یہ آنسو؟"

"یہ تو خوشی کے آنسو ہیں اشعر!" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "تمہارا گھر پھر نئے سرے سے بس رہا ہے۔ کچھ ہی عرصے بعد تم باپ ہو گے...... میں.... سوتیلی ہی سہی.... ماں کہلاؤں گی۔"

"تم تیار نہیں ہوئیں ثانیہ!" وہ جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ "میری بارات لے کر نہیں چلو گی۔ تمہیں تو اس موقع پر آگے آگے ہونا چاہیے۔ ثانیہ!"

ثانیہ نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکا دیں۔ بلیک سوٹ میں میرون ٹائی اور جیب میں سجے میرون رومال کے ساتھ وہ حد درجہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ سیاہ خاموش آنکھیں اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

"اشعر" وہ بے اختیار ہو کر اس کے سینے سے جا لگی۔ "اشعر..... خدا کے لئے تم تو میرا مذاق مت اڑاؤ۔ ہاں! یہ قربانی میں نے اپنی مرضی سے دی ہے۔ لیکن چھری تلے میں آنکھیں بھی کھلی رکھوں' کیا یہ بھی ضروری ہے؟ مجھے آنکھیں تو بند کر لینے دو پھر شوق سے چھری چلاؤ۔"

وہ اس سے الگ ہو کر دیوار سے جا لگی۔

"جاؤ اشعر..... سب لوگ تمہارے منتظر ہیں۔ وہاں دلہن تم لوگوں کی منتظر ہو گی۔ دلہن کے دل کو کیسے کیسے دھڑکے ہوتے ہیں' میں جانتی ہوں۔ ہر آہٹ پر کیسے گمان جاگتے ہیں' مجھے سب پتا ہے۔ جاؤ اشعر!"

وہ مڑی تو کمرہ خالی تھا۔ اشعر نئی دلہن کو بیاہنے جا چکا تھا۔

✿ ......✿...... ✿

نجانے کتنے لمبے سرکے' گھڑی کی سوئیاں کتنی بار گھومیں۔ وہ بے جان' بے حرکت' بستر پر پڑی رہی پھر باہر پچھلی رات کو ہوش آیا' ہنگامے جاگے' شور دُھل گھر میں پھیل گیا۔

نئی دلہن گھر آئی تھی۔

تانیہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے روز حشر آ گیا ہو۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔

عورتیں دلہن کو سیڑھیاں چڑھا کر اوپر کی منزل پر واقع کمرے میں لئے جا رہی تھیں۔ ہنسی کی آوازوں سے پورا ہال بھرا ہوا تھا۔ کسی نے اس کو نہیں دیکھا کسی نے دیکھا بھی تو نظریں چرا لیں۔

وہ یک ٹک لال شرارے میں لپٹے وجود کو اوپر جاتا دیکھ رہی تھی۔

دس برس کا منظر یوں نظروں کے سامنے ایسے آ کھڑا ہوا تھا جیسے کل کی بات ہو۔

سرخ اناری رنگ کے کپڑوں میں ملبوس' ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ سجائے وہ یونہی سیڑھیاں طے کر کے اوپر کمرے میں گئی تھی۔

''تانی... یہ تم ہو!'' اشعر مبہوت ہو گیا تھا۔ ''یہ رنگ روپ' یہ مسکراتا وجود واقعی میرا ہے۔''

اس کی جھکی پلکوں پر بوجھ بڑھ گیا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''آج سے میری ہر تان تم پر ٹوٹنے گی جانی!''

اور وہ دونوں زور سے ہنس دیے تھے۔

تانیہ روتے روتے ہنس دی پھر چونک کر آنسو صاف کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ خالی کمرہ اس کا دل چیرنے لگا' دیواریں منہ کو آنے لگیں۔ پچھلے دس برسوں میں وہ کبھی اکیلی نہ سوئی تھی۔ اشعر کہیں بھی ہوتا' کہیں بھی جاتا' رات کو ہر حال میں پلٹ آتا تھا۔ وہ بھی کبھی اپنے میکے میں رات نہ رکی تھی۔ اسے اپنے کمرے اور جیون ساتھی... دونوں کے بنا نیند نہ آتی تھی۔

اور آج جدائی کی پہلی رات تھی۔

وہ تنہا بیٹھی سسک رہی تھی۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔

''تانیہ!'' اس کے پیچھے آواز ابھری تھی۔

اسے یوں لگا جیسے یہ اس کا وہم ہو' بھلا اشعر اور اس وقت۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے پلٹی۔ اشعر اس کے پیچھے کھڑا تھا اس کے پسندیدہ لباس میں۔ سفید کرتا شلوار اس پر کتنا اچھا تھا۔ وہ اسے بس دیکھتی رہ گئی۔

"تانیہ!" اس نے تانیہ کے برف جیسے سرد ہاتھ تھام لیے۔

تانیہ نے اس کا ہاتھ چہرے پر رکھ لیا۔

"اشعر..... تم یہاں کیوں آئے؟"

"بس ایک نظر تمہیں دیکھنے۔"

تانیہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہ بس ایک نگاہ کی خیرات دینے آیا تھا۔ وقت کی ساری دولت اب وہ کسی اور کے نام لکھ چکا تھا۔

"اشعر!" اس کے ہونٹوں پر مجروح مسکراہٹ چمکی۔ "کیسی لگی تمہیں میری پسند۔"

"پتا نہیں میں نے تو اب تک اس کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "میرے ذہن میں تو تمہاری آنسوؤں سے بھری آنکھیں نہیں ہٹتیں میں اسے کیا دیکھتا۔"

"اشعر..... اشعر....." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اشعر نے گہری سانس بھر کر خود پر قابو پایا۔

"میں چلتا ہوں تانیہ..... وہ..... میری منتظر ہے۔"

تانیہ کو یوں لگا جیسے تیز دھار خنجر کا چمکتا پھل اس کے سینے میں اترا ہے۔ اس کی سانسیں اکھڑ گئیں۔ وجود کپکپانے لگا۔

"اشعر..... نہیں..... نہیں اشعر..... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ خدا کا واسطہ تم میرے پاس سے نہ جاؤ۔"

"تانیہ..... خود کو سنبھالو۔" وہ پریشان ہو گیا۔ "کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں....."

"ہاں! اشعر! سمجھایا تھا، بہت سمجھایا تھا مگر میں پاگل ہو گئی تھی۔ میں..... میں دیوانی بن گئی تھی..... میں وفا کی دیوی بننا چاہتی تھی..... میں بھولی ماں بننا چاہتی تھی لیکن اب..... اب میں کچھ نہیں جانتی کچھ نہیں۔ میں بس یہ رات چاہتی ہوں۔ میں یہ رات تمہارے ساتھ بتانا چاہتی ہوں..... تمہاری دلہن بن کر..... اشعر زندگی کی ہر رات اس کے

نام کر دینا' بس آج رات مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ خدا کا واسطہ' تمہیں میری محبت کا واسطہ'' وہ بالکل دیوانی لگ رہی تھی۔ اشعر پریشان ہو اٹھا۔

''تانیہ! سمجھنے کی کوشش کرو' لوگ کیا کہیں گے؟''

''تمہیں مجھ سے زیادہ لوگوں کی پروا ہے' مجھ سے زیادہ۔ میں سچ کہتی ہوں' اگر تم گئے تو میں..... میں وہ سب گولیاں کھا لوں گی..... میں اپنی جان دے دوں گی۔''

اسے قرار آ گیا۔ اندر اٹھتے ابال بیٹھنے لگے۔ وہ بستر پر گر کر ہانپنے لگی۔

''اچھا میری بات سنو۔'' اشعر نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے بال سمیٹے۔ ''اس کے کمرے میں خواتین میری منتظر ہیں' میں جاؤں گا تو وہ سب سونے کے لئے جائیں گی۔ تم سمجھتی ہو نا یہ بات۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھتا ہوں' جب تنہائی میسر آئے گی تو میں تمہاری طبیعت خرابی کا بہانا کر کے یہاں آ جاؤں گا۔ صبح جلدی اس کے کمرے میں چلا جاؤں گا۔ کم از کم دنیا والوں کی زبان تو بند رہے گی۔''

''تم آؤ گے نا؟'' وہ بے یقین ہوئی۔

''میں ابھی آتا ہوں تانیہ! ناؤ ریلیکس پلیز۔''

وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔

قندیل کے کمرے میں ناظرہ بھابھی اور رشتے کی ایک اور بہن موجود تھیں۔ اس کے جانے پر وہ دونوں باہر نکل گئیں۔

وہ چند لمحے گومگو کی کیفیت میں کھڑا رہا پھر بیڈ کے کنارے تک گیا۔

''قندیل!'' اس نے تذبذب سے پکارا تھا۔

''جی!'' نہایت خوبصورت' سریلی آواز تھی۔ ''کہیے'' تھکے ہوئے اعصاب چونک اٹھے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھائی۔

خوبصورت' بے داغ' معصومیت سے سجا چہرہ روبرو تھا۔ عروسی لباس میں وہ قدرت کا شاہکار لگ رہی تھی۔ سرخ بندیوں سے بھرے آنچل نے چہرے کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ ماتھے پر سجا ٹیکا' ناک میں چمکتی لونگ اور نازک سی گردن سے لپٹا گلوبند' سب کے سب اس حسن بے داغ کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ باغیچے کی جانب کھلتی کھڑکی سے ہوا

سا نرم و ملائم جھونکا' رات کی رانی کی مہک سمیٹے' شرارت سے مسکراتا اندر چلا آیا۔ کمرے کی ہر شے مسکرا اٹھی' اشعر بھی۔ قندیل نے مسلسل خاموشی سے گھبرا کر نگاہ اٹھائی اور اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

اشعر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گال دھیرے سے چھوا' وہ خود میں سمٹ گئی۔ وہ حسن بے مثال اس کا تھا' وہ حسین وجود اس کے نام لکھا جا چکا تھا۔ وہ اب اس کی دسترس میں تھی۔

گہری سانس بھر کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں، .... میں آتا ہوں قندیل! سونا مت۔"

وہ پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

✿.......... ✿ ..... ✿

دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو آس و نراس کی کیفیات میں جھولتی تانیہ کے مردہ ہوتے تن میں جان پڑ گئی۔

"اشعر!" وہ دوڑ کر اس تک گئی۔ وہ اسے لئے لئے بیڈ تک چلا آیا۔ دراز سے گولیوں کی شیشی نکال کر دو گولیاں نکالیں اور پانی کا گلاس بھرنے لگا۔

"تم تھک گئی ہو تانیہ! تمہیں نیند کی ضرورت ہے' تمہاری حالت ٹھیک نہیں۔ یہ لو۔" اس نے گولیاں اس کی سمت بڑھائیں۔ وہ فوراً انہیں نگل گئی۔

"اب آرام سے سو جاؤ تانیہ! میں یہاں تمہارے پاس ہوں۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

چند منٹوں میں وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہی تھی۔ اشعر نے ایک نگاہ اس پر ڈالی' اس کے سونے کا یقین کیا اور جلدی سے اٹھ کر لائٹ بجھا دی پھر وہ دبے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

اور اوپر جانے کی جلدی میں وہ سوئی ہوئی تانیہ کے سرہانے سے گولیوں کی شیشی اٹھانا بھی بھول گیا تھا۔

✿ ✿ ... ✿